© rasailojaraid.com

مگر نہیں سوچتے کہ انہوں نے خود جو حوالے پیش کیے ہیں ان کا اپنا پیش کیا ہوا مصرعہ ان کی اپنی ذات پر صادق آتا ہے۔ ضروری ہے کہ ان کے پیش کیے ہوئے نکات کا محققانہ تجزیہ کیا جائے۔ ورنہ نئی نسل کے گمراہ ہو جانے کا خدشہ ہے لہٰذا چند حوالہ جات جو راقم کے مطالعہ میں ہیں وہ انہیں پیش کرنے کی جسارت کرتا ہے۔

تعلیمی خدمات : جناب عشرت رحمانی فرماتے ہیں کہ "سر سیّد کی تعلیم حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے زیر اثر ہوئی۔ جہاں انہوں نے علوم متداولہ کی تکمیل کر کے سندِ فضیلت حاصل کی۔" اگر ان کے سب سے بڑے معتقد اور سوانح نگار جناب الطاف حسین حالی کی حیاتِ جاوید سے اس کی تردید میں تفصیل پیش کی جائے تو بات طوالت کر جائے گی۔ میں فاضل مضمون نگار سے درخواست پیش کروں گا کہ وہ اس سلسلے میں اپنے دعوے کی حمایت میں کوئی مستند حوالہ پیش کریں۔ انہوں نے جس کتاب کا حوالہ دیا ہے وہ ایک مضمون نگار کی ایک ہلکی سی مشق ہے اور کچھ نہیں۔ اس کے جواب میں حیات جاوید سے صرف ایک فقرہ پیش خدمت ہے۔ "انہوں (سر سید) نے قدیم یا جدید کسی طریقہ میں پوری تعلیم نہیں پائی۔" (حیات جاوید حصہ دوم ص ۴)

جناب ابو سلمان نے اپنے مقالے میں ایک جگہ لکھا ہے کہ "وہ سر سیّد ہی تھے جنہوں نے اردو میں سائنسی تراجم کی تحریک کو ختم کر دیا تھا۔" اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مضمون نگار لکھتے ہیں کہ:

"یہ بے پر کی حضرت شاہ جہاں پوری کو کس ذریعہ سے ہاتھ آئی۔ ورنہ آج تک کسی مستند تحریری بیان سے تو اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔" لیجیے، اس سے متعلق سر سیّد کے اپنے الفاظ ملاحظہ فرمائیے۔

"میں کہتا ہوں کہ پنجاب کے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ ان جدید علوم کو اپنی زبان کے ترجموں سے حاصل کر لیں گے۔ اور یہی بنا مشرقی زبان کی یونیورسٹی قائم کرنے کی ہوئی۔ مگر میں آپ کو بتاتا ہوں کہ میں پہلا شخص ہوں جس کے خیال میں بیس بائیس برس قبل یہی بات آئی تھی۔ میں نے صرف اس کو خیال ہی نہیں کیا تھا بلکہ کر کے دکھایا اور آزمایا، تجربہ کیا، سائنٹیفک سوسائٹی قائم کی جو اب تک زندہ ہے اس میں یہی کام شروع کیا تھا تاکہ علوم و فنون کی کتابیں اپنی زبان میں ترجمہ ہو کر قوم کی تعلیم کے لئے شائع کی جائیں۔ مگر بعد ترجمہ کے معلوم ہوا کہ ان جدید علوم کا ترجمہ کر کے اپنی قوم کو سکھلانا ناممکن ہے۔" (مکمل مجموعہ لکچرز و اسپیچز ص ۳۰۱)

سائنسی تراجم کی تحریک کو سر سید اپنی غلطی تسلیم کرتے ہیں۔ اپنی تحریک کے بیان اور پھر اس غلطی کے اعتراف میں ان کے الفاظ درج ذیل ہیں:-

"میں اقرار کرتا ہوں کہ میں وہی شخص ہوں جس نے سب سے پہلے اس بات کا گمان کیا تھا کہ یورپین علوم کا ورنیکلر زبان کے ذریعہ سے تحصیل کرنا ملک کے حق میں زیادہ سود مند ہو گا۔ میں وہی شخص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوں جس نے لارڈ میکالے کے منٹ ۱۸۳۵ء پر نکتہ چینی کی تھی کہ انہوں نے مشرقی تعلیم کے نقص کو ظاہر کیا اور مغربی علوم پر توجہ دلائی۔ اور اس بات کے خیال کرنے سے قاصر رہا تھا کہ دیسی زبان کی وساطت سے یورپین علوم کی اشاعت اہل ہند کو کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے یا نہیں؟ میں نے اپنی رائے کو صرف بیان ہی پر محدود نہیں کیا۔ بلکہ اس کو عمل میں لانے کی کوشش کی۔ بہت سے مباحثے مختلف جلسوں میں کئے۔ اس مضمون پر متعدد رسالے اور مضمون لکھے۔ لوکل اور سپریم گورنمنٹوں کو عرض داشتیں بھیجیں اور اسی غرض سے ایک سوسائٹی موسوم بہ سائنٹیفک سوسائٹی علی گڑھ قائم کی گئی۔ جس نے کئی علمی اور تاریخی کتابوں کا انگریزی سے ورنیکلر زبان میں ترجمہ کیا مگر انجام کار میں اپنی رائے کی غلطی کے اعتراف سے باز نہ رہ سکا۔" (حیات جاوید حصہ اول ص ۲۴۶)

ایک موقعہ پر فاضل مضمون نگار دارالعلوم علی گڑھ کے متعلق سرسید کے اپنے الفاظ کو بڑی چابک دستی کے ساتھ مقالہ نگار کا تبصرہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"مختصراً ابو سلمان صاحب سرسید اور علی گڑھ کی تعلیم و تحریک کا نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ دراصل سرسید کے دارالعلوم علی گڑھ کے قیام کا یہ مقصد کہ مسلمان نوجوانوں کو ذہنی، علمی، اخلاقی اور جدید سائنسی تعلیم دی جائے گی محض لفظی تھا ورنہ کالج کے قیام سے سرسید کا اصل مقصد لارڈ میکالے کے مقاصد تعلیم کی تکمیل تھا۔ میکالے نے کہا تھا کہ تعلیم کا مقصد ذہن و فکر کے لحاظ سے انگریز بنا کرنا ہونا چاہیئے۔ خواہ مذہب کی رو سے وہ ہندو یا مسلمان کہلائیں۔ مگر با عتبار مذاق اور رائے و فہم کے انگریز ہوں۔"

اس کے جواب میں سرسید نے ایم اے او کالج کے قائم کرنے کے اسباب اور مقاصد جو اپنی تحریر نوشتہ ۱۸۸۲ء میں بیان کئے تھے۔ ان کا متعلقہ اقتباس ملاحظہ فرمائیے:-

"اصل مقصد اس کالج کا یہ ہے کہ مسلمانوں میں عموماً اور بالتخصیص اعلیٰ درجہ کے مسلمان خاندانوں میں یورپین سائنس اور لٹریچر کو رواج دے۔ اور ایک ایسا فرقہ پیدا کرے جو از روئے مذہب کے مسلمان اور از روئے خون اور رنگ کے ہندوستانی ہوں۔ مگر با عتبار مذاق اور رائے و فہم کے انگریز ہوں۔" (ایڈریس اور اسپیچیں متعلق ایم اے او کالج مرتبہ نواب محسن الملک دیباچہ ص ۳۰)

سرسید لارڈ میکالے سے اس قدر متاثر تھے کہ انہوں نے جا بجا ان کے نظام تعلیم کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ اور بعض جگہ انہیں "لارڈ میکالے مرحوم" اور "خدا اسے بہشت نصیب کرے" کے الفاظ سے بھی مخاطب کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذہبی اعتقادات | جہاں تک سرسید کے مذہبی اعتقادات کا سوال ہے اس پر ایک طویل بحث درکار ہے مختصراً ان کے چند عقائد شیخ محمد اکرم کے حوالے سے درج ہیں:۔

"شیطان، اجنہ اور ملائک کے وجود سے انکار، حضرت عیسیٰ کے بن باپ کے پیدا ہونے یا زندہ آسمان پر جانے سے انکار، حضرت عیسیٰ و حضرت موسیٰ کے معجزات سے انکار وغیرہ وغیرہ۔ سرسید نے اپنے وقت کا بڑا حصہ ان عقائد و خیالات کی تفصیل میں صرف کیا ہے۔" (موج کوثر مطبوعہ فیروز سنز)

سرسید کے معجزات سے انکار کے بارے میں حالی رقم طراز ہے۔

"حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور تمام انبیاء سابقین کے قصوں میں جس قدر واقعات بظاہر خلاف قانون فطرت معلوم ہوتے ہیں جیسے ید بیضا، عصا کا اژدہا بن جانا، فرعون اور اس کے لشکر کا غرق ہونا، خدا کا موسیٰؑ سے کلام کرنا، پہاڑ پر تجلی ہونا، گئوسالہ سامری کا بولنا، ابر کا سایہ کرنا من و سلویٰ کا اترنا یا عیسیٰؑ کا گہوارہ میں بولنا، خلق طیر، اندھوں اور کوڑھیوں کو چنگا کرنا، مُردوں کو زندہ کرنا، مائدہ کا نزول وغیرہ وغیرہ۔ ان کی تفسیر میں جو کچھ سرسید نے لکھا ہے وہ غالباً پہلے کسی مفسر نے نہیں لکھا۔" (حیات جاوید حصہ دوم صہ ۲۶۵)

فاضل مضمون نگار نے لکھا ہے کہ ابوسلمان صاحب نے مولانا حالی کے حوالہ سے سرسید کے دینی عقائد اور مدرسۃ العلوم علی گڑھ کی تحریک کی مخالفت میں جو کچھ لکھا ہے وہ موصوف کا ذاتی نظریہ ہے جس کے لئے انہوں نے حالی پر غلط الزام لگایا ہے۔" اس کے جواب میں حالی کے اپنے الفاظ سرسید کی مذہبی جذبات کے معترف ہونے کے باوجود ان کی تفسیر کے متعلق ملاحظہ فرمائیں۔

"سرسید نے اس تفسیر میں جابجا ٹھوکریں کھائی ہیں۔ اور بعض مقامات پر ان سے نہایت رکیک لغزشیں سرزد ہوئی ہیں۔" (حیات جاوید حصہ اوّل صہ ۲۳۲)

ایک اور جگہ حالی لکھتے ہیں:۔

"اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ آخر عمر میں سرسید کی خودرائی یا جو وثوق کہ ان کو اپنی رایوں پر تھا وہ حد اعتدال سے متجاوز ہو گیا تھا۔ بعض آیات قرآنی کے وہ ایسے معنی بیان کرتے تھے جن کو سن کر تعجب ہوتا تھا کہ کیونکر ایسا عالی دماغ آدمی ان کمزور اور ربودی تاویلوں کو صحیح سمجھتا ہے؟ ہر چند کہ ان کے دوست ان تاویلوں پر ہنستے تھے مگر وہ کسی طرح اپنی رائے سے رجوع نہ کرتے تھے۔"

(حیات جاوید حصہ دوم صہ ۵۲۲)

ایم اے او کالج علی گڑھ کے نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے حالی لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"ان نتائج سے محمڈن کالج کی کوئی خصوصیت ظاہر نہیں ہوتی جس کی رو سے اس کو ہندوستان کے کالجوں پر ترجیح دی جا سکے۔ یا اس کو مسلمانوں کے حق میں زیادہ مفید سمجھا جائے۔ سوا اس کے کہ اس کالج میں ہندوستان کے اور کالجوں کی نسبت مسلمان طلبہ کی تعداد کسی قدر زیادہ پائی جاتی ہے کوئی زیادتِ تعلیم اور نتائجِ تعلیم کے لحاظ سے کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ نہ یہاں کے طالب علموں نے اب تک فضیلت اور علمی لیاقت میں اور کالجوں کے طلبہ پر کوئی صریح فوقیت دکھائی ہے۔ اور نہ یہ ثابت کیا ہے کہ یونیورسٹی کے نتائجِ امتحان میں اس کالج کے تعلیم یافتہ بہ نسبت دیگر کالجوں کے زیادہ کامیاب ہوتے ہیں" (حیات جاوید حصہ دوم ص ۴۴)

جناب مضمون نگار نے فارغین علی گڑھ کے جو چند معروف نام گنوائے ہیں اس کے متعلق صرف اس قدر عرض کر دینا کافی ہے کہ اس قسم کے استثنا ہر جگہ ہوا کرتے ہیں۔ ہمارے تمام رہنمایانِ قوم علی گڑھ کے تربیت یافتہ نہیں۔ ان میں ڈھیروں تعداد عیسائی اور غیر مسلم درس گاہوں کے علاوہ قدیم تربیتی اداروں سے سند فضیلت حاصل کرنے والوں کی بھی ہے۔ راقم نے دیال سنگھ کالج کے مسلمان طلبہ کی ایک کثیر تعداد کو تحریکِ پاکستان کے ہراول دستہ میں مستعد پایا۔ مگر اس کا کریڈٹ نہ دیال سنگھ آنجہانی کو جاتا ہے اور نہ دیال سنگھ کالج کو۔ اس زمانے میں ایک تحریک چلی جس درس گاہ میں مسلمان طلبہ کی تعداد زیادہ تھی وہ مشہور و معروف ہو گئے اور دوسروں کی فراموش کر دی گئیں۔

سیاسی عزائم۔ انگریز پرستی کا علمبردار | سرسیدؔ کے سیاسی عزائم کے متعلق بات کرتے ہوئے جناب عشرت رحمانی خود کو بہت بڑا مورخ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ راقم کے مطالعہ میں ۱۸۵۷ء کے بارے میں ان کی دو کتابیں ہیں۔ ان میں جہاں کہیں سرسید کی انگریز پرستی کے ذکر کا موقع آتا ہے وہ اسے جلدی سے سمیٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یا مضحکہ خیز تاویلوں کا سہارا لیتے ہیں۔ یا پھر اس کا ذکر مکمل طور پر گول کر جاتے ہیں ستم کی انتہا یہ ہے کہ اپنے خیالات کی حمایت میں وہ ایک قادیانی مصنف کے حوالے پیش کرتے ہیں جس کی قوم کی انگریز نوازی ضرب المثل ہے۔

راقم یہ عرض کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ کتابیں ہر شخص لکھ سکتا ہے۔ مگر تحقیق میں مغز کھپانا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ بغیر تحقیق کیے کتابیں لکھنے یا ایک مفروضہ کو فیصلہ کن انداز میں سامنے رکھ کر تحقیق کرنے سے وہ تضاد بیانی جنم لے گی جو جناب عشرت رحمانی کی کتابوں اور تحریروں میں موجود ہے۔ جس کے ذکر کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ اگر تاریخی واقعات لکھنے سے پہلے وہ اس موضوع پر اپنے امام سرسید کی آراء بھی ملاحظہ فرما لیتے۔ تو انہیں اپنے تعصبات کا خود اندازہ ہو جاتا۔ اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے چند مقامات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا ذکر کروں گا جس سے ان کی تحریروں کی "صداقت" پر ایک ہلکی سی روشنی پڑے گی۔

اپنے مضمون میں جناب عشرت رحمانی بغیر کسی حوالہ کے علامہ شبلی سے ایک واقعہ منسوب کرتے ہوئے ان کا جواب لکھتے ہیں:۔

"ڈاکٹر ہنٹر نے ایک کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" لکھ کر حکومت کو اسلامیان ہند سے برگشتہ کرنے کی نہایت منظم و مذموم مہم جاری کی۔ اس میں اس نے ایک سوال کیا۔ کہ "اے علمائے محققین شرع اسلام تمہاری اس معاملہ میں کیا رائے ہے کہ اگر کوئی مسلمان بادشاہ ہندوستان پر ایسے وقت میں حملہ کرے جب کہ وہ انگریزوں کے قبضہ میں ہے تو اس ملک کے مسلمانوں کو انگریزوں کی امان ترک کرنی اور اس غنیم کی مدد کرنی جائز ہے یا نہیں؟" اس سوال کے جواب میں ملک کے تمام علماء خاموش رہے۔ لیکن سرسید نے فوراً ایک مضمون کے ذریعہ جواب دیا۔ انہوں نے پہلے اسلام اور مسلمانوں کے دینی عقائد پر ایک اصولی بحث کی۔ اور اپنے مضمون کے آخر میں صاف صاف کہہ دیا کہ " فی الوقت کوئی مسلمان یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ کسی بڑے ملکی ہنگامہ میں کل قوم کا کیا حال ہوگا میں یقین کرتا ہوں کہ ایسی حالت میں مسلمان وہی کریں گے جو ان کی سیاسی و ملی حالت اس وقت ان سے کرائے گی۔"

"کڑوا کڑوا تھو تھو میٹھا میٹھا ہپ" کے مصداق اس حوالہ میں سے اصل حصہ کس نے اڑایا۔ جناب مضمون نگار اس پر بہتر روشنی ڈال سکتے ہیں۔ اس حصہ کو اڑا دینے سے اصل حوالہ کا مطلب گمراہ کن حد تک بدل جاتا ہے۔ اگر جناب مضمون نگار نے ڈاکٹر ہنٹر کے جواب میں سرسید کا مضمون نہیں پڑھا تو میں ان کی اطلاع کے لئے سرسید کے مطبوعہ مضمون ۱۸۷۲ء صـ ۸۷ سے متعلقہ اقتباس پیش کرتا ہوں۔

" میں ڈاکٹر ہنٹر صاحب کے سوال کا یہ جواب دیتا ہوں کہ انگریزوں کی امان سے علیحدہ ہونا اور غنیم کو مدد دینا کسی حالت میں کسی مسلمان کا مذہبی فریضہ نہیں ہے۔ اور اگر وہ ایسا کریں تو گنہ گار خیال کئے جائیں گے۔ کیونکہ ان کا یہ فعل اس پاک معاہدہ کو توڑنا ہوگا جو رعایا اور حکام کے درمیان ہے۔ اور جس کی پابندی مرتے دم تک مسلمانوں پر فرض ہے البتہ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگر آئندہ کوئی مسلمان یا اور بادشاہ ہندوستان پر حملہ کرے تو اس صورت میں باعتبار عمل درآمد کے ٹھیک ٹھیک مسلمان کیا کریں گے۔ کیونکہ وہ شخص حقیقت میں نہایت دلیر ہے۔ جو اپنے یا اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کے سوا عام شخصوں کی طرف سے بھی کچھ جواب دیتا مشکل ہے چنانچہ جو ملکی لڑائیاں انگلستان میں ہوئی ہیں ان میں باپ بیٹوں سے اور بھائی بھائی سے لڑے تھے۔ پس کوئی شخص یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ کسی بڑے ملکی ہنگامہ میں کل قوم کا کیا حال ہوگا۔ میں یقین کرتا ہوں کہ ایسی صورت میں جو کچھ مسلمانوں کو اپنی ملکی حالت کے لحاظ سے مصلحت معلوم ہوگی اُس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر وہ عمل کریں گے خواہ وہ حالت ان کے موافق ہو یا نہ ہو۔"

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جناب عشرت رحمانی کی کتابوں سے چند اقتباسات پیش کئے جائیں جن میں وہ اپنے امام سرسید سے ایک بہت بڑے قومی مسئلہ میں متصادم اور متحارب نظر آتے ہیں مگر انشا پردازی کا کمال ہے کہ اس کے باوجود وہ ان کے دفاع میں ہمہ تن مصروف دکھائی دیتے ہیں۔ یہ صرف ان پر ہی منحصر نہیں افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے نصاب تعلیم سے متاثر اکثر مورخ جب سرسید کے سیاسی خیالات کا ذکر کرتے ہیں تو ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کی زبوں حالی کا نقشہ کھینچ کر ان کے ہر فعل کو جائز قرار دیتے ہیں۔

"اسباب بغاوت ہند" میں کیا لکھا ہے۔ اور اس کے متعلق سرسید سے بازپرس نہ ہونے میں کیا مصلحت کارفرما تھی؟ اس میں کیا حوصلہ مندی دکھائی گئی ہے۔ اس کا ذکر ایک مکمل مضمون کا متقاضی ہے۔ اور ان شاء اللہ کبھی اس کا بھی موقع میسر آ جائے گا۔ سوال یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کے دوران سرسید احمد خان نے کیا کردار ادا کیا؟ "سرکشی ضلع بجنور" میں خود سرسید نے اس کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے کہ کس طرح مسلمانوں کے خلاف انگریزوں سے باقاعدہ خفیہ خط و کتابت میں مصروف رہے۔ اور جنگ آزادی کو ختم کرانے میں انگریزوں سے کیا کیا سازشیں کیں؟ بجنور میں ہندوؤں سے مسلمانوں کو کس طرح مروایا۔ اور جب مسلمانوں کو اس حال تک پہنچا دیا تو ان کے خیر خواہ بن کر رونے دھونے کے فرائض انجام دینے لگے۔

۱۸۵۷ء کے بعد کے حالات سیاسی مصلحت کے طور پر انگریزوں سے مفاہمت کے خواہاں تو ضرور تھے لیکن اس سے بنیادی اصول تو ختم نہیں ہو جاتے۔ اس کے بعد سرسید ساری عمر قرآنی تفسیر کے ذکر میں ہندی مسلمانوں کو مذہباً انگریزوں کی اطاعت کی تلقین کرتے رہے۔ اور ان کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملاتے رہے انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا تھا کہ ۱۸۵۷ء کے مسلمان مجاہدوں کو "حرام زادہ" کہیں اور ۱۸۵۷ء کے واقعات کے لئے نمک حرامی۔ بے ایمانی، حرامزدگی جیسے مکروہ الفاظ استعمال کریں۔

واضح رہے کہ یہ الفاظ صرف لوٹ مار کرنے والوں کے لئے استعمال نہیں کئے گئے بلکہ اجتماعی طور پر کہے گئے ہمارے مورخ اس معاملہ میں 'وقت کا تقاضا' اور "وقتی مصلحت" جیسے الفاظ استعمال کر کے نئی نسلوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جناب عشرت رحمانی کی "۱۸۵۷ء کے مسلمان مجاہد" کے مقابلے میں اس سے پیشتر ایک صدی قبل سرسید "لائل محمڈنز آف انڈیا" شائع کر چکے ہیں جسے "۱۸۵۷ء کے مسلمان غدار" کے عنوان سے موسوم کرنا زیادہ مناسب ہے۔ اس میں سرسید نے ان مسلمان غداروں کا تذکرہ بڑے فخر سے بیان کیا ہے۔ جنہوں نے انگریزوں کی حمایت میں جان دینے سے بھی دریغ نہ کیا اور انعام و اکرام سے نوازے گئے۔ جناب عشرت رحمانی اپنی کتاب میں جنہیں "مجاہد" کہہ کر مخاطب کرتے ہیں سرسید انہیں انتہائی غیر اخلاقی الفاظ کے ساتھ یاد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے ہیں۔ لیجئے چند مجاہدین جن کا ذکر جناب عشرت رحمانی کی کتاب میں موجود ہے ان کے متعلق سرسید کے تاثرات ملاحظہ فرمائیں۔

★ جنرل بخت خاں کو باغیوں کا سرغنہ (ڈاکٹر ہنٹر کے جواب مضمون میں صہ ۲۳) لکھا۔

★ نواب خان بہادر خاں کو بے ایمان اور نمک حرام (سرکشی ضلع بجنور صہ ۲۲) اور بدذات (ایضاً صہ ۲۳) لکھا۔

★ جنرل محمود خاں نجیب آبادی کو کم بخت (سرکشی صہ ۲۳) اور ظالم (ایضاً صہ ۱۶) لکھا۔ اس کے علاوہ کتاب میں جا بجا سے محمود خاں کی بجائے نا محمود خاں لکھا ہے۔

★ احمد اللہ خاں کو بدذات (سرکشی صہ ۲۶) اور بدنیتی اور فساد کا پُتلا (ایضاً صہ ۴۱) لکھا۔

★ ماڑے خاں کو حرام زادہ (سرکشی صہ ۱۱۵، و ۱۳۶) قدیمی بدمعاش (ایضاً صہ ۳۹) پکا بدمعاش (ایضاً صہ ۴۱) بے رحم (ایضاً صہ ۱۱۵) اور مفسد (ایضاً صہ ۹۰) لکھا۔

اب ۱۸۵۷ء کے متعلق مزید ارشادات ملاحظہ فرمائیں۔

★ ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ چھاؤنی سے دیسی فوج نے ان بے اعتدالیوں کے خلاف نعرہ جہاد بلند کیا (۱۸۵۷ء کے مسلمان مجاہد صہ ۱۳)

★ سرسید فرماتے ہیں۔ "میرٹھ میں جو فساد اور نمک حرامی دسویں مئی ۱۸۵۷ء کو ہوئی (سرکشی صہ ۵)

عشرت رحمانی لکھتے ہیں۔ "اس جنگ آزادی یا جہاد حریت کا آغاز مسلمانوں کی قیادت میں ہوا (مسلمان مجاہد صفحہ ۱۳)

★ سرسید فرماتے ہیں۔ "غدر میں کیا ہوا؟ ہندوؤں نے شروع کیا مسلمان دل جلے تھے وہ بیچ میں کود پڑے"، (حیات جاوید حصہ اول صہ ۲۸۱)

★ عشرت رحمانی لکھتے ہیں۔ قوم و ملک کے مجاہدین علماء، فضلاء، اور شیر دل بہادروں نے عزم و عمل، شجاعت و استقامت کے بے مثال کارنامے انجام دیئے۔ لیکن قوم و وطن کے غداروں نے ان کی تمام قربانیوں اور مساعی کو ملیامیٹ کر کے برطانوی اقتدار کو ملک پر مسلط کر لیا (۱۸۵۷ء کا سیاسی جائزہ صہ ۱۲)

★ سرسید فرماتے ہیں۔ "جس قدر اچھے اور خدا پرست اور سچ مچ کے مولوی اور درویش تھے ان میں سے کوئی شخص اس فساد میں شریک نہیں ہوا۔ بلکہ ہمیشہ مفسدوں کو بُرا اور اس فساد کو بے جا جانتے تھے"

(دلائل محمڈن نمبر۔ جلد دوم صہ ۱۱)

★ "میں نہیں دیکھتا کہ اس تمام ہنگامہ میں کوئی خدا پرست آدمی یا کوئی سچ مچ کا مولوی شریک ہوا ہو"

(دلائل محمڈن نمبر۔ جلد دوم صہ ۱۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب انگریزی حکومت کے متعلق تاثرات کا موازنہ کیا جائے۔ عشرت رحمانی لکھتے ہیں:۔

"جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس برصغیر میں اپنے عیارانہ قدم جمائے اور تجارت کو مکر و فریب سے ضرب دے کر اس کا حاصل ضرب حکومت نکالا تو اسی عہد سے اس مصلحت کے تحت ملک میں فرقہ پرستی اور قوم میں باہمی نفرت پھیلانے کی ہر ممکن کوشش جاری رکھی۔" (سیاسی جائزہ صـ۵)

اس کے بعد صـ۱۳ پر لکھتے ہیں۔ "کمپنی کی صد سالہ حکومت ... جس نے برصغیر پر مسلّط ہو کر اس کی آزادی قومی شعار، تہذیب و تمدّن اور دولت و اطمینان و فراغت سب کچھ لوٹ لیا۔"

اس کے مقابلے میں سرسیدؒ کے خیالات ملاحظہ فرمائیں: "ابتدائے حکومت انگریزی سے لغایت ۱۸۵۸ء تم سب لوگوں نے آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت میں اپنی زندگی بسر کی۔ حق یہ ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے نہایت شائستگی اور نرمی اور بحفاظت مذاہب مختلفہ حکومت کی۔" (مجموعہ لکچرز صـ۲۴)

جناب عشرت رحمانی قیام پاکستان سے قبل نصاب تعلیم پر ناراضگی کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "تاریخ کی درسی کتابوں میں اس امر کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا کہ ہم انگریزوں کو اپنا محسن حکمران سمجھیں اور ان کی خوبیوں اور نیکیوں کو غنیمت جان کر ان کی صفت کے راگ گائیں۔ اور اپنے سلاطین کے مسخ کردار سے نفرت کریں جو انگریز حکمرانوں کے دماغوں ہی کے اختراع کئے ہوئے تھے۔" (سیاسی جائزہ صـ۱۲)

میں یہاں عرض کروں گا کہ قیام پاکستان سے قبل معاملہ کچھ اور تھا۔ قیام پاکستان کے بعد اسی قسم کا معاملہ ہمارے سامنے پیش آرہا ہے۔ کہ انگریزی راگ کے گن گانے والوں کو اپنا محسن جتا کر نصاب تعلیم میں شامل کر دیا گیا ہے۔ دیکھئے کہ جناب رحمانی کے اعتراض کے متعلق سرسید کیا فرماتے ہیں:۔

"ہندوستان میں برٹش گورنمنٹ خدا کی طرف سے ایک رحمت ہے۔ اس کی اطاعت اور فرماں برداری اور پوری وفاداری اور نمک حلالی، جس کے سایۂ عاطفت میں ہم امن و امان کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ خدا کی طرف سے ہمارا فرض ہے۔ میری یہ رائے آج کی نہیں ہے بلکہ پچاس ساٹھ برس سے میں اسی رائے پر قائم اور مستقل ہوں۔"

(رپورٹ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس اجلاس نہم صـ۱۶۹)

"ہم کو درحقیقت نہایت سچے دل سے خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ انگریزی گورنمنٹ سے جس قدر کہ ملک میں امن و امان اور رعایا میں آزادی ہے اس کی نظیر دنیا کی کسی گورنمنٹ میں نہیں ہے۔ میں نہایت دلی یقین سے یہ بات کہتا ہوں کہ جن عمدہ اصولوں پر انگریزی گورنمنٹ ہے اس سے زیادہ عمدہ اصول گورنمنٹ کے لئے ہو نہیں سکتے جیسے رعایا کے حقوق اور ان کی دولت اور ان کی جان اور ان کی آزادی اس گورنمنٹ میں محفوظ ہے دنیا میں کہیں نہیں ہے۔" (مجموعہ لکچرز صـ[illegible])

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

• مسلمان رعایا نہ تو ہندوستان میں برٹش گورنمنٹ کے قیام کی مخالف تھی اور نہ برٹش گورنمنٹ کے قیام نے ان لوگوں میں کوئی سیاسی بے چینی پیدا کی. طوائف الملوکی اور ظلم و تشدد کے اس دور میں جب کہ ملک کو ایک کامل اقتدار والی حکومت کی ضرورت تھی۔ مقامی آبادی نے برٹش اقتدار اعلیٰ کا پر جوش خیر مقدم کیا اور مسلمانوں نے بھی اس سیاسی تبدیلی پر اطمینان کے جذبات کا اظہار کیا۔" (سوانح سر سیّد از گراہم ص ۲۲۰)

"تسلیم کیا جائے کہ بعض مسلمان بادشاہوں نے غیر مذہب والوں پر ظلم کیا اور ان کی مذہبی آزادی کو برباد کر دیا. مگر ایسا کرنا ان کا ذاتی فعل تھا جس کے وہ خود ملزم ہیں نہ کہ مذہب اسلام۔ بلا شبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ بعد قوم عرب کے بتوں کو توڑ دیا. مگر اس بت شکنی کی نظیر محمود غزنوی یا عالمگیر یا کسی اور بادشاہ کی بت شکنی کی نہیں ہو سکتی۔" (تفسیر القرآن حصہ چہارم صہ ۱۰۹)

جناب عشرت رحمانی چاہیں تو ان کے لئے اس قسم کے بیسیوں نہیں سینکڑوں حوالے پیش کئے جا سکتے ہیں۔

دو قومی نظریہ کا بانی یا دشمن ؟ | آخر میں مختصراً اپنے ان تعلیم یافتہ ڈھنڈورچیوں کے خود ساختہ فلسفہ کے متعلق کہنا ضروری سمجھتا ہوں۔ جو سر سید کو دو قومی نظریے کا بانی قرار دیتے ہیں. دیکھئے کہ اس معاملہ میں خود سر سید کیا فرماتے ہیں :-

" لفظ قوم سے میری مراد ہندو اور مسلمان دونوں سے ہے یہی وہ معنے ہیں جس میں میں لفظ نیشن (قوم) کی تعبیر کرتا ہوں۔ میرے نزدیک یہ امر چنداں لحاظ کے لائق نہیں کہ ان کا مذہبی عقیدہ کیا ہے کیونکہ اس کی کوئی بات نہیں دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن جو بات ہم دیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم سب خواہ ہندو ہوں یا مسلمان، ایک ہی سرزمین پر رہتے ہیں۔ ایک ہی حاکم کے زیر حکومت ہیں۔ ہم سب کے فائدے کے مخرج ایک ہیں۔ ہم سب قحط کی مصیبتوں کو برابر برداشت کرتے ہیں۔ یہی مختلف وجوہات ہیں جن کی بنا پر میں ان دونوں قوموں کو جو ہندوستان میں آباد ہیں ایک لفظ سے تعبیر کرتا ہوں کہ " ہندو" یعنی ہندوستان کی رہنے والی قوم۔" (سفرنامہ پنجاب صہ ۲۳۴) ایک اور جگہ پر یوں فرماتے ہیں :-

" قدیم سے قوم کا لفظ ملک کے باشندوں پر بولا جاتا ہے. گو ان میں بعض بعض خاصیتیں بھی ہوتی ہیں اے ہندو اور مسلمانو۔ کیا تم ہندوستان کے سوا کسی اور ملک کے رہنے والے ہو؟ کیا اسی زمین پر تم دونوں نہیں بستے؟ کیا اسی زمین میں تم دفن نہیں ہوتے ہو یا اسی زمین کے گھاٹ پر جلائے نہیں جاتے؟ اسی پر مرتے ہو اسی پر جیتے ہو تو یاد رکھو کہ ہندو اور مسلمان ایک مذہبی لفظ ہے۔ ورنہ ہندو، مسلمان اور عیسائی بھی، جو اسی ملک میں رہتے ہیں اس اعتبار سے سب ایک ہی قوم ہیں۔" (مجموعہ لیکچرز صہ ۱۴۷)

بابائے اردو نے اپنے ایک مضمون میں اس قسم کے ڈھیروں حوالے پیش کئے ہیں۔ (بقیہ صہ ۵۸)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ارشد جاوید ایم اے (نفسیات)
پنجاب (پاکستان)، کیلیفورنیا (امریکہ)

مرزا غلام احمد "نبی"
یا
نفسیاتی مریض

ایک جھوٹے مراقی شخص کا سائیکالوجی تجزیہ ۔ اور تحلیل نفسی

مختصر سوانحی خاکہ | مرزا غلام احمد صاحب ۳۹-۱۸۴۰ء میں پیدا ہوئے ۶۸-۱۸۶۴ء میں سیالکوٹ کی کچہری میں بطور محرر ملازمت کی۔ اسی دوران مختاری کا امتحان دیا مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ ۱۸۶۸ء کے بعد مذہب کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور تفصیلی مطالعہ کیا۔ یہ مناظروں کا دور تھا۔ اس لئے آپ نے اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لیئے عیسائیوں اور آریوں سے مناظرے کئے۔ اور "براہین احمدیہ" کا حصہ اول اور دوم شائع کیا۔ ہندوستان کے بہت سے علمی و دینی حلقوں میں اس کتاب کا پرجوش استقبال کیا گیا۔ اس طرح اس کتاب نے مرزا صاحب کو دفعۃً قادیان کے گوشہ گمنامی سے نکال کر شہرت و احترام کے منظر عام پر کھڑا کر دیا۔ اور لوگوں کی نگاہیں ان کی طرف اٹھ گئیں۔ اس دوران آپ ایک مصنّف اور اسلام کے وکیل کی حیثیت سے سامنے آئے۔

مرزا صاحب نے اپنی مذہبی زندگی کا آغاز ایک مبلغ اور مصلح کی حیثیت سے کیا۔ پھر محدث ہونے کا اعلان کیا۔ ۱۸۸۴ء میں آپ نے مجدد ہونے کا اشتہار شائع کر دیا۔ ۱۸۹۱ء میں مثیل مسیح اور پھر مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور آخر کار ۱۹۰۱ء میں نبی اور رسول اللہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ ۱۹۰۸ء میں مرزا صاحب انتقال کر گئے۔

ختم نبوت | پہلی صدی ہجری سے لے کر آج تک، ہر زمانے کے اور پوری دنیائے اسلام میں ہر ملک کے مسلمان اور علماء اس عقیدے پر متفق ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص نبی نہیں ہو سکتا۔ اور یہ کہ جو بھی آپ کے بعد اس منصب کا دعویٰ کرے یا اس کو مانے وہ کافر خارج از ملت اسلام ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ "(لوگو) محمدؐ تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں" (الاحزاب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ میرے بعد اب کوئی رسول ہے اور نہ نبی۔" (ترمذی) "میری امت میں تیس کذّاب ہوں گے جن میں سے ہر ایک نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا

© rasailojaraid.com